مقاصدِ شریعت کی پہچان اور تطبیق میں عقل اور فطرت کا حصّہ

محمد نجات اللہ صدیقی*

اس مقالہ میں اس بات پر غور کیا جائے گا کہ شریعت اسلامی کے مقاصد کو جاننے اور عملی زندگی میں ان کی تحصیل عمل میں لانے میں ہماری عقل اور ہماری فطرت کا کردار کیا ہے۔یہ واضح کیا جائے گا کہ قرآن و سنّت میں ہماری رہنمائی کے لیے عقل و فطرت کو بنیاد بنایا گیا ہے۔عقل و فطرت کا بھرپور استعمال ہی اسوۂ نبویؐ اور سیرت خلفاء راشدینؓ کا سبق ہے۔

جیسا کہ ہمارے دو سابقہ مقالات[۱] کا مطالعہ کرنے والوں کو یاد ہو گا، ہم ایک ایسے طریقہ بحث [methodology] کی تلاش میں ہیں جس سے کسی مخصوص صورت حال میں مقاصد شریعت کی رہنمائی میں حکم شرعی تک پہنچا جا سکے۔عقل و فطرت کے کردار کی تحقیق اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

فطرت کیا ہے، عقل کس ملکہ کا نام ہے،دونوں میں کیا فرق ہے، کیا ربط ہے۔ دونوں آزادانہ کام کرتے ہیں یا مل کر ہماری رہنمائی کرتے ہیں، یہ بڑے بنیادی سوالات ہیں جن کے جواب فلاسفہ اور متکلّمین نے دینے کی کوشش کی ہے۔ یہاں ہم یہ دیکھیں گے کہ قرآن کریم کی روشنی میں کیا صورت پیش آتی ہے۔

فطرت کا تصوّر عقل کے تصوّر سے زیادہ جامع ہے۔عقل فطرت کا ایک حصّہ ہے، ایک ملکہ جو فطرت کے ساتھ وابستہ ہے۔ عقل کا کام سمجھنا ہے۔ اس کام میں سارے حواس دیکھنا، سننا، چھونا، چکھنا، سونگھنا سبھی رُوبہ عمل ہوتے ہیں۔ سوچنا، غور و فکر، تدبّر، عقل کے استعمال کے معروف طریقے ہیں۔ سیروسیاحت، تجربہ، تبادلہ خیالات اس میں مددگار ہوتے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں فطرت اس شفاف کیفیت کا نام ہے جو بیرونی اثرات کے بغیر بے لاگ بنیادی صلاحیتوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اچھائی اور سچائی کی پہچان اور برائی اور جھوٹ سے ان کو الگ کر سکنا انسان کی بناوٹ کا جزء ہے۔ قرآن کریم کی آیات میں اس طرف اشارے ملتے ہیں۔

و اذ قال ابرٰھیم لابیه وقومه انّنی برآءٌ ممّا تعبدون. اِلّا الّذی فطرنی فانّه سیھدین. [۲]

☆ وزیٹنگ پروفیسر، اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، اسلامی ترقیاتی بینک، پوسٹ بکس ۹۲۰۱، جدہ، سعودی عرب۔

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا ان سے کوئی تعلّق نہیں۔ میرا تعلّق صرف اس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی کرے گا۔

فاقم وجھک للدین حنیفًا، فطرت اللہ الّتی فطر النّاس علیھا، لا تبدیل لخلق اللہ، ذالک الدین القیّم، ولکنّ اکثر النّاس لا یعلمون. (۳)

پس یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

دونوں آیتوں میں انسانی بناوٹ اور صانع کے درمیان حقیقی رابطے کا ذکر ہے۔ اسی امر کی تاکید دوسری آیات میں بھی ملتی ہے:

و نفس وّ ما سوّٰھا، فالھمھا فجورھا و تقوٰھا. (۴)

نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔

فطرت میں جڑی ہونے کی وجہ سے سچائی اور اچھائی انسانوں کے درمیان جانی پہچانی چیزیں بن جاتی ہیں۔ اسی معروف کو ہدایت الٰہی کی بنیاد بنایا گیا ہے:

خذ العفو وأمر بالعرف و اعرض عن الجٰھلین. (۵)

نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔

کنتم خیر امّةٍ اخرجت للناسِ تأمرون بالمعروف و تنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ. (۶)

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے، تم معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو......

سچائی اور اچھائی کو جاننے اور پہچاننے میں عقل کی بڑی اہمیت ہے۔عقل خود شناسی اور خدا شناسی دونوں کے لیے ضروری ہے۔ انسانوں میں کسی بات کے مقبول یا نا قابل قبول ہو نے کا علم بھی عقل ہی کے ذریعہ مل سکتا ہے۔ اللہ کی ہدایت جب نبی اور رسول کے ذریعہ آتی ہے تو اس سے استفادہ کے لیے بھی عقل ناگزیر ہے۔ قرآن کریم میں عقل، فکر، نظر، سمع، بصر، تفکّر، تدبّر، تفقّہ، وغیرہ الفاظ اسی سیاق میں آئے ہیں۔ سورہ روم کی ۸ سے ۴۲ آیات میں ان میں سے کئی الفاظ آئے ہیں۔

سچائی اور اچھائی خوبصورتی اور انصاف یا حق، خیر، جمال اور عدل وہ بنیادی قدریں ہیں جن کے گرد سارے مقاصد گھومتے ہیں۔ یہ حقیقت ہمیں استقراء سے معلوم ہوئی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر دیکھا، سچائی اور اچھائی کی پہچان فطرت میں ودیعت ہے۔ یہی حال خوبصورتی یا جمال کا بھی ہے۔ البتہ عدل کا معا ملہ کچھ مختلف ہے۔ عدل کا تعلّق انفرادی سے زیادہ اجتماعی زندگی سے ہے۔ اس کی پہچان میں عقل کا کردار زیادہ نمایاں ہے اور اس پہچان کی تکمیل اللہ کی ہدایت سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسولوں کے بھیجنے کا مقصد عدل سے جوڑا گیا ہے۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبیّنٰت و انزلنا معھم الکتٰب و المیزان لیقوم الناس بالقسط.(۷)

ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں......

بدلتے ہوئے حالات میں مختلف انسانی افراد اور گروہوں کے درمیان اس امر پر اتفاق رائے کم دیکھا گیا ہے کہ عدل کیا ہے۔ حسن و جمال یا خوبصورتی ایک موضوعی [subjective] امر ہے، پھر بھی فطرت سے راست تعلّق کی بنا پر کسی چیز کے خوبصورت ہونے کے بارے میں اتفاق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اچھائی کے بارے میں بھی فطرت سے اس کے تعلّق کی بنا پر اتفاق وارد ہے۔ سچائی ایک معروضی [objective] امر ہے۔ اگر زیر بحث معاملہ کا تعلّق امور غیب سے نہ ہو تو اتفاق آسان ہے۔ مگر عدل کے تصوّر سے مفادات وابستہ ہوں گے۔ فطرت فیصلہ نہیں کرا سکتی۔ عقل بیشک رہنمائی کرتی ہے مگر تجربہ اور تاریخ گواہ ہیں کہ اختلافات ختم نہیں ہوتے۔ الٰہی ہدایت عدل کی طرف رہنمائی بھی کرتی ہے اور اختلاف کی صورت میں فیصلہ کا طریقہ بھی بتاتی ہے۔ ہمارا موضوع، مقاصد شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت، بہت وسیع ہے۔ زندگی کے تمام پہلو اس کے دائرے میں آتے ہیں۔ مگر دور جدید کے مباحث کا تعلّق زیادہ تر عدل اور امن کے قیام سے ہے اس لیے آئندہ مباحث زیادہ تر انہی پر مرکوز ہوں گے۔ چوں کہ خود عدل کا سچائی اور اچھائی اور خوبصورتی سے گہرا تعلّق ہے اس لیے یہ قدریں بھی ہمارے سامنے رہیں گی۔

قیام عدل

قرآن کریم میں عد ل کے تصوّر پر تجریدی بیانات کی بجائے عملاً پیش آنے والے حالات اور سماجی، سیاسی اور اقتصادی رشتوں کے سیاق میں بات کی گئی ہے۔ یہ بات کبھی خاندان کے اندر عادلانہ تعلّقات بر قرار رکھنے کے بارے میں ہوتی ہے تو کبھی اس کی نظر پوری قوم یا بین الاقوامی

دائرے پر ہوتی ہے۔ ذیل میں ہم بعض آیات کا مطالعہ کریں گے اور یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ ان کے فہم و تطبیق میں عقل و فطرت کا کیا کردار ہے۔

اِنّ اللہ یأمر بالعدل والاحسان و اِیتآیٔ ذی القربی و ینھی عن الفحشاء و المنکر والبغی، یعظکم لعلّکم تذکرون. (۸)

اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم سبق لو۔

و لا تقربوا مال الیتیم الاّ بالّتی ھی احسن حتّی یبلغ اشدّہ‘، و اوفوا الکیل والمیزان بالقسط،لا نکلّف نفساً اَلّا وسعھا،و اذا قلتم فاعدلوا و لو کان ذا قربی،، و بعھد اللہ اوفوا، ذٰلکم وصّٰکم بہ لعلّکم تذکّرون. (۹)

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے سنّ رشد تک پہنچ جائے اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو۔ ہم ہر شخص پر ذمّہ داری کا اتنا ہی بار رکھتے ہیں جتنا اس کے امکان میں ہے اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار کا کیوں نہ ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمھیں کی ہے، شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔

یاَیّھا الّذین اٰمنوا کونوا قوّٰمین للہ شھدآء بالقسط، ولا یجرمنّکم شناٰن قومٍ علی اَلَّا تعدلوا، اعدلوا، ھو اقرب للتقوی واتّقوا اللہ، انّ اللہ خبیرٌ بما تعملون. (۱۰)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو ا للہ اس سے پوری طرح با خبر ہے۔

ان آیات میں دوسری اہم ہدایات کے علاوہ خاندان اور رشتہ داروں کے حلقہ میں بڑے گروہ اور قوم کے دائرے میں اور آخری آیت میں بین الا قوامی تعلّقات میں عدل و انصاف سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے۔ اقرباء کی امداد، زور، زیادتی سے اجتناب، یتیم کے مال کو امانت جاننا، ناپ تول میں بے ایمانی نہ کرنا، بولنا تو سچ بولنا، گواہی بے لاگ دینا خواہ اس کی زد کسی پر پڑے...... یہ سب اصل قدر یعنی عدل کی مثالیں ہیں۔ کسی عملی صورت حال میں ان کی تطبیق تو متعلق فرد ہی کر سکے گا۔ مثال کے طور پر سورۂ نساء کی آیت ۵۸ میں جو بات کہی گئی ہے اس کے عملی تقاضے کسی متعیّن صورت حال

میں انسان کو خود متعیّن کرنے پڑیں گے:

اِنّ اللہ یامرکم ان تؤدّوا الامٰنٰت الی اھلھا واذا حکمتم بین النّاس ان تحکموا بالعدل.

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو......

سورۂ نساء آیت ۱۳۵ میں بھی عدل و قسط کی بات کی گئی ہے:

یٰٓایھا الّذین اٰمنوا کونوا قوّٰمین بالقسط، شھدآء للہ و لو علی انفسکم اوالوالدین و الاقربین،ان یکن غنیاً او فقیراً فاللہ اولی بھما،فلا تتّبعوا الھوٰی ان تعدلوا......

اے ایمان لانے والو انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمھارے انصاف اور تمھاری گواہی کی زد تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو......

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۲-۲۸۳ میں ادھار لین دین میں عدل و قسط کے تقاضے پورا کرنے کی جو شکل تجویز کی گئی ہے اس کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ دوسرے زمانے اور دوسرے حالات میں انہی تقاضوں کی تکمیل دوسرے طریقہ سے کی جا سکے گی۔ ان آیات کا ترجمہ درج ذیل ہے:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب کسی مقررہ وقت کے لیے تم آپس میں ادھار لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز تیار کرے جسے اللہ نے لکھنے پڑھنے کی قابلیت بخشی ہو، اسے لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ وہ لکھے اور املا وہ شخص کرائے جس پر حق آتا ہو (یعنی ادھار لینے والا) اور اسے اللہ اپنے ربّ سے ڈرنا چاہیے کہ جو معاملہ طے ہوا ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ لیکن اگر ادھار لینے والا خود نادان یا ضعیف ہو، یا املا نہ کرا سکتا ہو، تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ املا کرائے۔ پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرا لو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ یہ گواہ ایسے لوگوں میں سے ہونے چاہئیں جن کی گواہی تمھارے درمیان مقبول ہو۔ گواہوں کو جب گواہی دینے کے لیے کہا جائے تو انھیں انکار نہ کرنا چاہیے۔ معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، میعاد کی تعیین کے ساتھ اس کی دستاویز لکھوا لینے میں تساہل نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ طریقہ تمھارے لیے زیادہ مبنی بر انصاف ہے، اس سے شہادت قائم ہونے

میں زیادہ سہولت ہوتی ہے اور تمھارے شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کا امکان کم رہ جاتا ہے......

عدل و قسط کا حوالہ خاندانی زندگی میں میاں بیوی کے تعلّقات کے ضمن میں بھی آیا ہے۔ سورۂ نساء آیت ۱۲۷ سے ۱۳۰ تک نیز سورۂ حجرات آیت ۹ اور ۱۰ میں دو مسلمان گروہوں کے درمیان جھگڑے کی صورت میں عدل پر زور دیا گیا ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ہم ہر حال میں عدل پر قائم رہیں۔ خاندان میں رشتہ داروں سے واسطہ ہو یا اپنے ہی گروہ میں ہم قوموں سے معاملے کرنا ہو، یا عام انسانوں سے سابقہ پیش آجائے۔ ہر حال میں انصاف کا دامن مضبوط تھامے رہنا چاہیے۔ عادلانہ معاملت سچائی پر مبنی ہوتی ہے، اس کا نتیجہ اچھا نکلتا ہے۔ اس میں ذاتی مفاد کی خاطر دوسروں کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ قرآن کے نزدیک اصل اہمیت اس کی ہے کہ ہم عدل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں اور اس ارادہ میں مخلص ہوں۔ اس کا زور انسانوں میں عدل کرنے کا عزم [commitment] پیدا کرنے پر ہے۔ رہی یہ بات کہ مختلف حالات میں عدل کے تقاضے پورا کرنے کی تفصیلی شکلیں کیا ہوں گی تو وہ اس کے سلسلہ میں مخلص لوگوں کی سمجھ بوجھ پر بھروسہ کرتا ہے۔ البتہ اگر مسئلہ اجتماعی ہو تو وہ ضروری قرار دیتا ہے کہ فیصلہ باہم مشورے سے کیا جائے۔

ازالۂ ظلم

قیام عدل کے لیے ضروری ہے کہ ظلم دور کیا جائے۔ ظلم عدل کا متضاد ہے، ظلم کی تعریف ہے: **وضع الشیٔ فی غیر محلّہٖ** کسی چیز کا بیجا استعمال، اس کا بے موقع دخل دینا۔ قرآن کریم میں ظلم کی بڑی مذمّت کی گئی ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ظلم کی تمام شکلوں کا احاطہ ممکن نہیں مگر درج ذیل آیات کے مطالعہ سے ہمیں مدد ملے گی۔ جیسا کہ آپ دیکھیں گے، ان آیات میں اکثر اوقات ظلم کی پہچان فطرت اور عقل کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ چنانچہ ذیل کی آیت میں عقل و فطرت کی آواز حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی صاف سنائی دیتی ہے:

> **و ھل اَتٰک نبؤا الخصم اذ تسوّروا المحراب، اذ دخلوا علیٰ داود ففزع منھم. قالوا لاتخف، خصمٰن بغیٰ بعضنا علیٰ بعض فاحکم بیننا بالحقّ ولا تشطط واھدنا الیٰ سوآء الصراط. انّ ھٰذا اخی لہ‘ تسعٌ و تسعون نعجۃً و لیَ نعجۃٌ واحدۃٌ فقال اکفلنیھا و عزّنی فی الخطاب. قال لقد ظلمک بسؤال نعجتک الیٰ نعاجہٖ. و انّ کثیراً من الخلطآء لیبغی بعضھم علیٰ بعض الاّ الّذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت و قلیلٌ ما ھم. و ظنّ داود**

انّما فتنّٰہ فا ستغفر ربّہ و خرّ راکعاً و اناب. (۱۱)

پھر تمھیں کچھ خبر پہنچی ہے ان مقدمے والوں کی جو دیوار چڑھ کر اس کے بالاخانے میں گھس آئے تھے؟ جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ انھیں دیکھ کر گھبرا گیا۔ انھوں نے کہا ڈریے نہیں ہم دو فریق مقدمہ ہیں جن میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ آپ ہمارے درمیان ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے، بے انصافی نہ کیجئے اور ہمیں راہ راست بتایئے۔ یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا یہ ایک دنبی بھی میرے حوالے کر دے اور اس نے گفتگو میں مجھے دبا لیا۔ داؤد نے کہا: اس شخص نے اپنی دنبیوں کے ساتھ تیری دنبی ملا لینے کا مطالبہ کر کے یقیناً تجھ پر ظلم کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مل جل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں۔ بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے اور عمل صالح کرتے ہیں اور ایسے لوگ کم ہی ہیں۔ (یہ بات کہتے کہتے) داؤد سمجھ گیا یہ تو ہم نے دراصل اس کی آزمائش کی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے ربّ سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گیا اور رجوع کر لیا۔

ظلم کی ایک کھلی قسم دوسرے کا مال ہڑپ کرنا ہے خواہ ایسا کرنے کا موقع با اقتدار ہونے کی وجہ سے ملے یا لین دین میں فریق ثانی کی کمزوری کی وجہ سے ملے۔

انّ الّذین یاْکلون اموال الیتٰمٰی ظلماً انّما یاْکلون فی بطونھم ناراً و سیصلون سعیرًا. (۱۲)

جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں دراصل وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنّم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔

یآ یّھا الّذین اٰمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الاّ ان تکون تجارۃً عن تراضٍ منکم ولا تقتلوا انفسکم اِنّ اللہ کان بکم رحیما. و من یفعل ذٰلک عدواناً و ظلماً فسوف نصلیہ ناراً و کان ذٰلک علی اللہ یسیرا. (۱۳)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضامندی سے اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، یقین مانو کہ اللہ تمھارے اوپر مہربان ہے۔ جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم ضرور آگ میں جھونکیں گے اور یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

قرض دی جانے والی رقم پر سود لینا، لین دین میں اپنی پوزیشن سے بیجا فائدہ اٹھانا ہے۔ اسے ظلم قرار دیا گیا ہے:

یٰٓاَیّھا الّذین اٰمنوا اتّقوا اللہ وذروا مابقی من الربوٓا ان کنتم مؤمنین. فان لم تفعلوا فأذنوا بحربٍ من اللہ و رسوله، و ان تبتم فلکم رءوس اموالکم لا تَظلمون ولا تُظلمون. (۱۴)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمھارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمھارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

انسانی تعلّقات میں ظلم وزیادتی کی ایک بڑی مثال لوگوں کو آزادیٔ ضمیر، آزادیٔ نقل و حرکت اور دوسری بنیادی آزادیوں سے محروم کرنا ہے۔ یہ روک ٹوک آگے چل کر جان و مال پر دست درازی اور فوج کشی کی شکل اختیار کر لیتی ہے جو ظلم کی ایسی تباہ کن شکل ہے جس کی روک تھام ضروری ہے۔ اس د فاعی جنگ سے عام انسانوں کے بنیادی حقوق کی بحالی وابستہ ہے۔ ایسی دفاعی جنگ کے ذریعہ کمزور اور دبا کر رکھے ہوئے لوگوں کا عز و شرف بحال کرنا اور انھیں ظلم سے نجات دلانا ضروری ہے:

ومن اظلم ممّن منع مسٰجدَاللہ ان یذکر فیھا اسمه‘ و سعیٰ فی خرابھا. اولٰٓئِک ما کان لھم ان یدخلو ھا الّاخائفین. لھم فی الد نیا خزیٌ و لھم فی الاٰخرةِ عذابٌ عظیم. (۱۵)

اوراس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کے معبدوں میں اس کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو۔ ایسے لوگ اس قابل ہیں کی ان عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھیں اور اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں۔ ان کے لیے تو دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب عظیم۔

اُذن للّذین یُقتَلون بانّھم ظُلموا، و انّ اللہ علیٰ نصرھم لقدیر. الّذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الّا ان یقولوا ربّنا اللہ. و لو لا دفع اللہ النّاس بعضھم ببعضٍ لَھدِّمت صوامع و بیعٌ وصلوٰتٌ و مسٰجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا، و لینصرنّ اللہ من ینصرہُ، انّ اللہ لقویٌ عزیز. (۱٦)

اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیوں کہ وہ مظلوم

ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے: ہمارا ربّ اللہ ہے۔ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا گھر اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔

ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال و النسآء والولدان الّذین یقولون ربّنا اخرجنا من ھٰذہ القریة الظالِمِ اھلھا و اجعل لنا من لدنک ولیّا، واجعل لنا من لدنک نصیرا. [النساء: ۷۵]

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پاکر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔

انسان اپنے اوپر بھی ظلم کر سکتا ہے۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ کا کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ یہ بے عقلی کہ بات ہے، انسان اپنی روزمرہ کی زندگی میں بھی ایسا نہیں کرتا کہ کسی بے اثر وبے اختیار کو اپنے سر چڑھا لے۔

ضرب لکم مثلاً من انفسکم، ھل لکم من مّا ملکت ایمانکم من شرکآء فی مَارزقنکم فانتم فیه سوآءٌ تخافونھم کخیفتکم انفسکم، کذٰلکَ نفصّل الاٰیٰت لقومٍ یعقلون. بل اتّبع الّذین ظلموا اھوآء ھم بغیر علمٍ،فمن یھدی من اضل اللہ و ما لھم من نٰصرین. (۱۷)

وہ تمھیں خود تمھاری اپنی ہی ذات سے ایک مثال دیتا ہے۔ کیا تمھارے ان غلاموں میں سے جو تمھاری ملکیت میں سے ہیں کچھ غلام ایسے بھی ہیں جو ہمارے دیے ہوئے مال و دولت میں تمھارے ساتھ برابر کے شریک ہوں اور تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح آپس میں اپنے ہمسروں سے ڈرتے ہو؟...... اس طرح ہم آیات کھول کر پیش کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ مگر یہ ظالم بے سمجھے بوجھے اپنے تخیّلات کے پیچھے چل پڑے ہیں، اب کون اس شخص کو راستہ دکھا سکتا ہے جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو۔ ایسے لوگوں کا تو کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔

وہ لوگ زیادہ برے ہیں جو بار بار سمجھانے کے باوجود یہ بات نہ سمجھ سکیں:

ومن اظلم ممّن ذکّر بایٰتِ ربّه فاعرض عنها و نسی ما قدّمت یداہ. انّا جعلنا علیٰ قلوبهم اکنّةً ان یفقهوہ و فی اٰذانهم وقراً، و ان تدعهم الی الهدیٰ فلن یهتدوا اذًا ابداً.(۱۸)

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے ربّ کی آیات سنا کر ہدایت کی جائے اور وہ اس سے منہ پھیرے اور اس برے انجام کو بھول جائے جس کا سرو سامان اس نے اپنے لیے خود اپنے ہاتھوں کیا ہے۔ (جن لوگوں نے یہ روش اختیار کی ہے) ان کے دلوں پر ہم نے غلاف چڑھا دیئے ہیں جو انھیں قرآن کی بات نہیں سمجھنے دیتے، اور ان کے کانوں میں ہم نے گرانی پیدا کر دی ہے۔تم انھیں ہدایت کی طرف کتنا ہی بلاؤ، وہ اس حالت میں کبھی ہدایت نہ پائیں گے۔

قرآن بتاتا ہے کہ یہ ظلم عقل نہ استعمال کرنے کا نتیجہ ہے:

ولا تدع من دون الله ما لا ینفعک و لا یضرّک فان فعلت فانّک اذاً من الظّٰلمِین.(۱۹)

اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہو گا۔

اپنی عقل نہ استعمال کرکے شرک میں مبتلا ہونے والوں سے زیادہ ظلم کے مرتکب وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو بھی اسی راہ پر چلانے لگیں۔ سورۂ انعام کی آیت ۱۴۴ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے۔ خاص طور پر نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ قرآن ایسے لوگوں کو بے نقاب کرنے اور سادہ لوح عوام کو ان کی گمراہ کن قیادت سے نکالنے کے لیے عقل عامّہ پر مبنی سوالات سے کام لیتا ہے۔ آیت کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

پھر وہی ہے جس نے مویشیوں میں سے وہ جانور بھی پیدا کیے ہیں جن سے سواری اور باربرداری کا کام لیا جاتا ہے اور وہ بھی جو کھانے اور بچھانے کے کام آتے ہیں۔ کھاؤ ان چیزوں میں سے جو اللہ نے تمھیں بخشی ہیں اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ یہ آٹھ نرومادہ ہیں۔ دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے۔ اے محمدؐ ان سے پوچھو کہ اللہ نے ان کے نر حرام کیے ہیں یا مادہ یا وہ بچّے جو بھیڑوں اور بکریوں کے پیٹ میں ہوں۔ ٹھیک ٹھیک علم کے ساتھ مجھے بتاؤ اگر تم سچّے ہو اور اسی طرح دو اونٹ کی قسم سے ہیں اور دو گائے کی قسم سے۔ پوچھو ان کے نر اللہ نے حرام کیے ہیں یا مادہ، یا وہ بچّے جو اونٹنی اور گائے کے پیٹ میں ہوں۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے ان کے حرام ہونے کا حکم دیا تھا؟ پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور

کون ہوگا جو اللہ کی طرف منسوب کرکے جھوٹی بات کہے تاکہ علم کے بغیر لوگوں کی غلط رہنمائی کرے۔ یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

سورہ انعام آیت ۲۱ میں بھی ایسے مرتکبین ظلم کا ذکر آ چکا ہے۔ ایسے لوگ تاریخی حقائق کو توڑ موڑکر اپنی روش کا جواز فراہم کرنے اور دوسروں کو حق کی پیروی سے روکنے کی کوشش کر کے مزید ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں:

اَم تقولون انّ ابرٰھم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط کانوا ھوداً او نصارٰی.قل ءَ اَنتم اعلم ام اللہ. و من اظلم ممّن کتم شھادۃً عندہ' من اللہ. و ما اللہ بغافلٍ عمّا تعملون.[۲۰]

پھر کیا تمھارا یہ کہنا ہے کہ ابراھیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب سب کے سب یہودی یانصرانی تھے؟ کہو: تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کے ذمّے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے۔ تمھاری حرکات سے ا للہ غافل تو نہیں ہے۔

ازالۂ فساد اور قیام امن و صلاح

مقاصد شریعت کی فہرست میں زمین سے فساد دور کرکے امن قائم کرنے اور اصلاح کا اہتمام کرنے کو بہت اونچا مقام حاصل ہے۔ قرآن کریم کی متعدّد آیات میں مثالوں کے ذریعہ زمین میں فساد کا مطلب بتایا گیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس سلسلہ کو روکنا کیوں ضروری ہے اور امن قائم کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہو گا۔ قران کریم کی ان آیات کے مطالعہ سے ان دونوں کاموں، فساد کو پہچاننے اور اس کے دور کرنے کی تدابیر اختیار کرنے نیز امن و صلاح کا اہتمام کرنے میں عقل اور فطرت کا اہم رول سامنے آئے گا۔

ومن النّاس من یعجبک قولہ فی الحیٰوۃ الدنیا و یشھد اللہ علیٰ ما فی قلبہ و ھو الدّالخصام. و اذا تولّیٰ سعیٰ فی الارض لیفسد فیھا و یھلک الحرث و النسل، واللہ لایحبّ الفساد.[۲۱]

انسانوں میں سے کوئی تو ایسا ہے کہ جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمھیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیّتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ بد ترین دشمن حق ہوتا ہے۔ جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی

ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔ حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنا رہا تھا) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

انسانی زندگی اور زندگی قائم رکھنے کے لئے درکار وسائل کی تباہی فساد ہے۔ غلط کار لوگ برسرِاقتدار آکر جو فساد برپا کر سکتے ہیں اس کی بے شمار شکلیں ہو سکتی ہیں جن میں سے بعض کا تاریخ مشاہدہ کر چکی ہے۔ ایسا ہی ایک فسادی فرعون تھا:

انّ فرعون علا فی الارض و جعل اھلھا شیعاً یستضعف طَآئِفةً منھم یذ بّح ابنآءَ ھم ویستحی نسآءَ ھم. انّه کان من المفسدین. (۲۲)

واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا۔ اس کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔

مگر **فساد فی الارض** کا مرتکب ہونے کے لیے اقتدار میں آنا شرط نہیں۔ عام لوگ بھی اپنے غلط طرزِعمل سے سماج کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جا سکتے ہیں:

ظھر الفساد فی البرّ و البحر بما کسبت ایدی النّاس لیذیقھم بعض الّذی عملوا لعلّھم یرجعون. (۲۳)

خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا شاید کہ وہ باز آئیں۔

ہم کو تلقین کی گئی ہے کہ ہم زمین میں فساد مچانے والوں سے دور رہیں، جیسا کہ نبی صالحؑ کی زبانی قرآن میں آیا ہے:

فا تّقوا اللہ و اطیعون. ولا تطیعوا امرالمسرفین. الّذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون. (۲۴)

اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ان بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔

نبی صالحؑ کی اپنی قوم کو تلقین قرآن کریم نے ان الفاظ میں بھی نقل کیا ہے:

......**فاذکروا اٰلآءَ اللہ و لا تعثوا فی الارض مفسدین.** (۲۵)

پس اللہ کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ ہو جاؤ اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔

مذکورہ بالا آیات میں فساد کی بعض شکلوں کا ذکر آیا ہے: جان و مال تباہ کرنا، انسانی گروہوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا، کمزوروں پر دست درازی...... دوسری آیات میں فساد کی بعض دوسری شکلوں کا ذکر ہے، مثلاً غیر فطری جنسی تعلّقات (عنکبوت: ۳۰-۲۸)، کھلے عام فحّاشی (عنکبوت:۳۰-۲۸)، رشتہ داروں کے حقوق نہ ادا کرنا(محمد:۲۲)، راہ حق میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کرنا (انفال:۷۱-۷۳) اور دوسروں پر تسلّط جمانے اور ان پر حکم چلانے کی کوشش۔(قصص ۸۳)[۲۶]۔

انسانی سماج میں امن جب قائم ہوگا جب فساد کی تمام شکلوں کا سدّباب کیا جائے۔ اس مقام پر آکر قیام عدل اور قیام امن کے تقاضے ایک ہو جاتے ہیں۔ پر امن عادلانہ سماج وہ ہوگا جس میں افراد ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھیں اور برتیں:

......**الّذین اٰمنوا و لم یلبسوا ایمانهم بظلمٍ، اولٰٓئک لهم الامن وهم مهتدون.**[۲۷]

حقیقت میں تو امن انہی لوگوں کے لیے ہے اور راہ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔

اسلام کا مقصدایک عادلانہ پر امن معاشرہ برپا کرنا ہے جس کے لیے وہ ظلم و فساد کو مٹانا چاہتا ہے۔ اس موضوع پر بعض آیاتِ قرآنی کا جو مطالعہ اوپر کیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ اصل اہمیت اس کی ہے کہ افراد انسانی ان مقاصد کے لیے یکسو ہوں اور دل و جان سے ان کے حصول میں لگ جائیں۔ یہ commitment ہو تو تفصیل جاننا دشوار نہ ہو گا۔ کن حالات میں ظلم و فساد کیا ہے جسے مٹانا چاہیے اور عدل و امن کیوں کر بحال کیا جائے، ان سوالات کے جوابات ہماری عقل و فطرت، محوّلہ بالا قرآنی اپروچ کی روشنی میں دے سکے گی۔

کارِ نبوّت میں عقل و فطرت کا رول

نبی اکرم ﷺ نے عقل و فطرت پر مبنی جو اجتہادات کیے ہیں ان پر ایک وسیع لٹریچر موجود ہے، یہاں اس کی تلخیص ممکن نہیں۔ البتہ یہ بات یاد دلانا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کام صرف یہی نہیں تھا کہ کلام الٰہی کو انسانوں تک پہنچا دیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو سمجھنا، سمجھانا، ان پر عمل کرنا اور دوسروں کی ان پر عمل کے سلسلہ میں رہنمائی کرنا بھی کارِ نبوّت کا جزء تھا۔ اس وسیع الاطراف کام میں خداداد سمجھ بوجھ اور فطری صلاحیتوں کا بھرپور استعمال ضروری تھا۔ ہمارے دینی ادب میں جو تصانیف، رسول اللہ ﷺ کے عدالتی فیصلوں[۲۸] یا آپ کے ادارتی اور انتظامی اقدامات[۲۹] پر مشتمل ہیں ان میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن کی روشنی میں عام انسان بھی عقل و فطرت کی رہنمائی میں فیصلے

کر سکتے ہیں۔ عقل و فطرت پر مبنی اقدامات نبوی میں جہاں قیام عدل، ازالۂ ظلم و فساد اور قیام امن و صلاح جیسے بڑے مقاصد پیش نظر رہے ہیں وہاں روز مرّہ زندگی کے آداب، اصلاح ذات اور خوشگوار انسانی تعلّقات اور امور دین و دنیا کی اعلیٰ معیارِ کارکردگی کے مطابق انجام دہی، وغیرہ بھی سامنے رہے ہیں۔

ذیل میں احادیث نبویؐ میں سے بعض مثالیں پیش کی جار ہی ہیں۔ اختصار کی خاطر صرف ترجمانی کی جا رہی ہے، متن حدیث کا مطالعہ دیے ہوئے حوالوں کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔

پیش نظر مقصد کے لیے موزوں طریقہ

جب نبی کریم ﷺ نے قیصرِ روم کو خط بھیجنا چاہا تو مجلس میں موجود ایک صاحب نے کہا کہ جب تک خط پر مہر نہ لگائی جائے وہ لوگ خط نہیں پڑھیں گے۔ چنانچہ چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی گئی جس پر **محمد رسول اللہ** لکھا ہوا تھا۔ آئندہ تمام خطوط پر مہر ثبت کی جانے لگی۔ (۳۰)

جمعہ کو جب نبی کریم ﷺ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے تو (پیچھے بیٹھنے والوں کی) آسانی کے لیے کسی نے تجویز کیا کہ منبر بنا لیا جائے۔ یہ تجویز پسند کی گئی، منبر بنا اور منبر سے خطبہ دینے کا طریقہ رائج ہو گیا۔ (۳۱)

جب نمازیوں کی تعداد بڑھی تو ضروری ہوا کہ لوگوں کو اس بات کی خبر دینے کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے کہ نماز (باجماعت) شروع ہونے جا رہی ہے تا کہ وہ مسجد نبوی تک پہنچ سکیں۔ مختلف لوگوں نے مختلف طریقے تجویز کیے، بالآخر جو طریقہ پسند کیا گیا وہ آذان دینے کا طریقہ تھا۔ (۳۲)

تینوں مثالوں میں یہ بات مشترک ہے کہ ایک دینی اہمیت والے کام کی مؤثر ادائیگی کے لیے اس وقت کے فنی حالات میں جو طریقہ مشوروں کی روشنی میں موزوں پایا گیا اختیار کیا گیا۔

اذیّت اور نقصان سے بچانے کی موزوں تدابیر

نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو کچی پیاز یا لہسن کھا کر نماز کے لیے مسجد آنے سے منع کر دیا تھا، تا کہ کسی کے منہ سے ایسی بو نہ آئے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔ (۳۳)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ (مدینہ میں) زیادہ تر لوگ محنت مزدوری کرنے والے تھے۔ ان کے پاس نوکر نہیں تھے (جو ان کے لیے محنت کرتے) چنانچہ ان کے بدن سے بری مہک آتی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ بہتر ہو کہ جمعہ کے دن نہا کر (مسجد) آیا کریں۔ (۳۴)

نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو ہدایت کی کہ رات میں سونے سے پہلے چراغ بجھا دیں، پانی کے مشکیزوں کے منہ باندھ دیں اور کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھک دیں نیز دروازے بند کرلیں۔(۳۵)

اس زمانے میں گھروں میں روشنی کے لیے کپڑے کی بتّی بنا کر پیالی میں تیل کے اندر ڈبو دی جاتی تھی اس طرح کہ اس کا ایک سرا باہر رہے۔ اس سرے میں آگ لگانے سے چراغ جلتا تھا۔ بعض روایات میں ارشاد نبویؐ کی مصلحت کا بھی بیان ہے، اندیشہ تھا کہ چوہا بتّی لے جاکر کسی ایسی جگہ پہنچا دے کہ گھر میں آگ لگ جائے۔

ایک آدمی کندھے پر تیر رکھے مسجد میں آگیا، تیروں کی نوکیں کھلی ہوئی تھیں نبی کریم ﷺ نے اس آدمی سے کہا کہ لوہے کی نوکوں کو ہاتھ سے ڈھک لے تا کہ وہ کسی کو زخمی نہ کرسکیں۔(۳۶)

مذکورہ بالا مثالوں میں لوگوں کو تکلیف سے بچانا مقصود ہے جس کے لیے ایسی ہدایات دی گئیں جو عقل عامّہ کو اپیل کرتی ہیں۔

انفرادی حالات کی رعایت سے خصوصی تدابیر

جو غیر شادی شدہ افراد شادی نہ کر پائے ہوں ان کو نبی ﷺ نے (نفل) روزے رکھنے کا مشورہ دیا۔ فرمایا: روزے سے جنسی خواہش کا زور کم ہوتا ہے۔(۳۷)

ظاہر ہے کہ یہ مشورہ فطرت انسانی سے واقفیت اور عقل و تجربہ پر مبنی ہے۔

نبی کریم ﷺ عام طور پر جو دعائیں مانگتے تھے ان میں یہ دعا بھی شامل تھی: بار الٰہی قرض کے بوجھ سے بچانا۔ یا یہ کہ: خدایا میں تیری پناہ چاہتا ہوں قرض کے بوجھ سے۔ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ بار بار اس دعا کی وجہ؟ فرمایا: مقروض آدمی بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدے کرتا ہے تو نباہ نہیں پاتا۔(۳۸)

جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی بڑے گناہوں میں سے ہے جن سے بچنا فرض ہے۔ مقروض آدمی قرض دینے والے سے معاملت میں، اکثر مجبوراً، دونوں گناہوں کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ گناہ سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرض لینے سے بچے۔ اللہ سے دعا اس لیے کہ ایسی مجبوری نہ پیش آ جائے کہ قرض لیے بغیر چارہ نہ رہے۔ یہ حکمت پارہ بدیہی طور پرمشاہدہ اور فطرت شناسی پر مبنی ہے۔

حکیمانہ مشورے

ذیل میں مزید ارشادات نبویؐ نقل کیے جارہے ہیں جو فطرت شناسی، عقل عامّہ اور سمجھ بوجھ کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ اس کا آغاز ہم آپ کے ایک بہت مختصر مقولہ سے کرتے ہیں، فرمایا: بعض اشعار حکمت سے لبریز ہوتے ہیں۔(۳۹)

فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو مال و دولت اور حسن و جمال میں اس سے بڑھ چڑھ کر ہو تو اسے چاہیے کہ ایسے آدمی کی طرف بھی دیکھے جو (ان باتوں میں) اس سے فروتر ہو، جس سے خود اس کو بہتر بنایا گیا ہو۔(۴۰)

فرمایا: جب تین آدمی ساتھ ہوں تو دو آدمیوں کو اس طرح باہم سرگوشی نہیں کرنا چاہیے کہ تیسرا کٹ جائے کیوں کہ اس بات سے اسے رنج ہوگا۔ البتہ جب بہت سے لوگوں کے درمیان ہوں تو دو آدمی باہم بات کر سکتے ہیں۔(۴۱)

فرمایا: تمھیں ایسی بات نہ سکھا دوں جس کے کرنے سے آپس میں محبت بڑھے، ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔(۴۲)

دونوں ہدایات کا منشاء انسانوں میں خوش گوار تعلّقات برقرار رکھنا ہے اور دونوں کا منبع فطرت شناسی اور سوجھ بوجھ ہیں۔

فرمایا: تم میں سے کوئی (امام بن کر) لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہو تو نماز کو مختصر رکھو کیوں کہ لوگوں کے درمیان بوڑھے، بیمار اور کمزور افراد بھی ہوتے ہیں۔ البتہ جب تم اکیلے نماز پڑھ رہے ہو تو جتنی لمبی (نماز) چاہے پڑھ سکتے ہو۔(۴۳)

ایک دیہاتی آدمی مسجد (نبوی) میں ایک کنارے کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ لوگ اس کی طرف (اسے روکنے اور سرزنش کرنے) دوڑے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کے پیشاب میں خلل نہ ڈالو، پھر آپؐ نے اس جگہ پانی بہا دینے کو کہا۔(۴۴)

دونوں ارشادات نبویؐ انسانی کمزوریوں کی رعایت ملحوظ رکھنے اور موقع محل کی مناسبت سے نرمی کا طریقہ اختیار کرنے کی تلقین پر مبنی ہیں جیسا کہ دانشمندی کا تقاضا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق آدمی کو اجازت لے کر گھر میں داخل ہونا چاہیے۔ ایک صاحب نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا اپنی ماں سے بھی اجازت لینے کی ضرورت ہے؟ فرمایا: کیا تم انہیں ننگا دیکھنا

پسند کروگے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا: پھر اجازت لے کر داخل ہو۔(۴۵)

فرمایا: اگر تم میں سے کسی نے کوئی (بھلا) کام کرنے کی قسم کھائی ہو پھر اس کے اندر اس سے بہتر بھلائی کا جذبہ ابھر آئے تو قسم کا کفّارہ ادا کرے مگر کام وہی کرو جو زیادہ اچھا ہو۔(۴۶)

رسول اللہ ﷺ کی حکیمانہ نظر خلق خدا کی اولیٰ تر بھلائی پر رہی، اس کے لیے صاحب خیر کو قسم کا کفّارہ ادا کرنے کی زحمت اٹھانا پڑے تو کوئی حرج نہیں، کام وہ ہو جو بہتر ہو۔

عقل عامّہ پر مبنی مشورہ کی ایک اور مثال:

حضرت عائشہؓ نے پوچھا: میرے دو پڑوسی ہیں، ان میں سے صرف ایک کو ہدیہ بھیجنا ہو تو کسے ترجیح دوں؟ فرمایا: جس کا دروازہ تم سے قریب تر ہو اسے بھیجو۔(۴۷)

ذخیرۂ حدیث ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے جن میں رسول اللہ ﷺ اپنی خداداد سمجھ بوجھ اور فطرت شناسی کی بنیاد پر فیصلہ کرتے یا مشورہ دیتے نظر آتے ہیں۔ ہم مذکورہ بالا چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہوئے یہ گفتگو ذیل کی سبق آموز مثال پر ختم کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس مانگنے آیا۔ آپؐ نے پوچھا: کیا تمھارے گھر میں کوئی چیز بھی نہیں ہے؟ اس نے کہا ایک بچھونا ہے جس کا کچھ حصّہ ہم بچھاتے ہیں اور کچھ اوڑھ لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔ دونوں چیزوں کو ہاتھ میں لے کر آپ نے اعلان کیا: یہ دو چیزیں کون خریدنا چاہے گا؟ ایک صاحب بولے: میں ایک درہم میں دونوں خریدنے کو تیار ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: کوئی ہے جو ایک درہم سے زیادہ دینے کو تیار ہو؟ آپؐ کے دو تین بار ایسا کرنے کے بعد ایک صاحب بولے: میں دونوں چیزیں دو درہم میں لے لوں گا۔ چنانچہ آپؐ نے دونوں چیزیں ان کو دے دیں اور (ان سے) دو درہم لے کر اس ا نصاری کو دیئے اور فرمایا: ایک درہم سے کھانے کا سامان لاکر گھر والی کو دے آؤ اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ وہ اسے آپ کے پاس لائے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس میں ایک لکڑی کا دستہ لگایا اور اس آدمی سے کہا: جاؤ، اس سے لکڑی کاٹو اور فروخت کرو، پندرہ دنوں تک میرے سامنے نہ آنا۔ چنانچہ وہ آدمی چلا گیا اور لکڑی کاٹتا اور فروخت کرتا رہا۔ جب (آپ کے پاس) آیا تو دس درہم کما چکا تھا۔ ان میں سے کچھ کے کپڑے خریدے اور کچھ سے کھانا خریدا۔ رسو ل اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: یہ اس سے اچھّا ہے کہ قیامت کے دن تیرے چہرے پر داغ نظر آئیں۔ مانگنا صرف تین کے لیے

مناسب ہے، شدید افلاس (میں مبتلا ہو) یا ناقابل برداشت قرض کا بوجھ ہو یا جس کے ذمہ دیّت ادا کرنا واجب ہو اور وہ ایسا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔[۴۸]

نبی اکرم ﷺ کے مقاصد شریعت کے حصول کے لیے عقل و فطرت پر مبنی مذکورہ بالا اقدامات سے سبق حاصل کرتے ہوئے خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ آپ کی وفات کے بعد وحی آنے کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اب اللہ کی ہدایت صرف قرآن کے مطالعہ سے حاصل کی جا سکتی تھیں، آسمان سے کوئی نئی ہدایت نہیں آنے والی تھی۔ فیصلہ کرنے والوں کے سامنے ایسی نئی صورت حال بھی آنے لگی جیسی نبی کریم ﷺ کی زندگی میں سامنے نہیں آئی تھی، جس سے نبٹنے کے لیے آپ ﷺ کے کیے ہوئے کسی فیصلہ کا نفاذ کافی نہ تھا بلکہ ایک نیا فیصلہ کرنا ضروری تھا۔ ایسے حالات میں فیصلہ کرنے والوں نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق فیصلہ کیا۔ معا ملہ اجتماعی امور سے متعلّق تھا تو مشاورت بلائی گئی، اختلاف ہوا تو بحث و تمحیص کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ جس مسئلہ میں اتّفاق رائے ممکن نہ ہو سکا اس میں کثرت رائے سے فیصلہ کیا گیا۔ خلفاء راشدین اور صحا بہ کرامؓ کی فکری رسائی پر علّامہ ابن قیّم نے اپنی مشہور تصنیف **مدارج السالکین**[۴۹] میں بڑی اچھی روشنی ڈالی ہے۔ذیل میں ہم ان کے بعض اقتباسات کے ترجمے درج کریں گے:

عمرابن الخطّابؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو خط لکھا تھا اس میں آیا ہے: جو معاملات تمھارے سامنے لائے جائیں ان میں سوجھ بوجھ سے کام لو۔فہم بندے پر خدا کی نعمت ہے۔ ایک نور ہے جو خدا بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے جس کے ذریعہ اسے ایسی پہچان اور (معاملات کی گہرائی تک) پہنچ حاصل ہو جاتی ہے جو اس کے بغیر نہیں ہو سکتی۔[۵۰]

آگے چل کر ابنِ قیّم بصیرت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

بصیرت دل کی زمین میں سچّی معاملہ فہمی پیدا کرتی ہے۔ یہ ایک نور کا نام ہے جو اللہ دل میں ڈال دیتا ہے، جس کے ذریعہ حق اور باطل اور سچّے اور جھوٹے کے درمیان فرق کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

انّ فی ذٰلک لَاٰیٰتٍ للمتوسّمین.[۵۱]

اس واقعہ میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو فراست والے ہیں۔

مجاہد نے کہا (متوسّمین سے) مراد فراست والے ہیں۔ ترمذی میں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فراست مومن سے بچ کر رہو کیوں کہ وہ نور خداوندی کی مدد سے

دیکھتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: **انّ فی ذٰلک لَاٰیتٍ للمتو سّمین.**(۵۲)

ابنِ قیّم لکھتے ہیں کہ توسّم سیما سے باب تفعّل میں آیا ہے۔ سیما کے معنیٰ نشانی کے ہیں۔ صاحب فراست کو متوسّم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ دیکھتا ہے اس پر استدلال کے ذریعہ (نہ دکھائی دینے والے) غائب کی پہچان حاصل کر لیتا ہے۔ یعنی موجود و مشہود سے ایمان (بالغیب) تک پہنچتا ہے۔(۵۳)

ابنِ قیّم نے لکھا ہے کہ ابنِ عبّاسؓ کے نزدیک مذکورہ بالا آیت میں نظر سے کام لینے والوں کا ذکر ہے جب کہ مقاتل نے تفکّر سے کام لینے والوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ابنِ قیّم کہتے ہیں کے یہ ساری تعبیریں ایک ہی معنیٰ کی طرف لے جاتی ہیں۔(۵۴)

ابنِ قیّم لکھتے ہیں کہ سوجھ بوجھ میں امّت میں سب سے اونچا مقام حضرت ابو بکر صدّیقؓ کا تھا۔ ان کے بعد حضرت عمر بن الخطّابؓ کا نمبر تھا جن کی فراست کے واقعات مشہور ہیں۔ جب بھی انھوں نے کسی بات کے بارے میں کہا: میرا خیال ہے کہ ایسا ہو گا، تو ویسا ہی ہوا۔ ان کی سوجھ بوجھ کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوئی۔(۵۵)

ابنِ قیّم لکھتے ہیں کہ اسی طرح حضرت عثمانؓ کو بھی سچّی معاملہ فہمی ملی تھی، انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں راستے میں ایک عورت کو دیکھتا تھا جس کے حسن پر نگاہ ٹھہر جاتی تھی۔ عثمانؓ نے مجھے دیکھتے ہی کہا: کبھی تم میں سے کوئی اس حال میں میرے پاس آتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں زنا کی جھلک ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا: کیا رسول اللہ کی وفات کے بعد بھی وحی آنے لگی؟ آپ نے جواب دیا: نہیں تو، بلکہ (یہ ثمرہ ہے) بصیرت، برہان اور سچّی فراست (کا)۔(۵۶)

سیّدنا علی ابنِ ابی طالبؓ کی فہم و فراست اور اس پر مبنی فیصلے اور مشورے مشہور ہیں۔ ان کے دانشمندانہ مشوروں کی اہمیت حضرت عمرؓ کے اس بے ساختہ ریمارکس سے ظاہر ہوتی ہے: **لو لا علیٌ لھلک عمر!**(۵۷) (علی نہ ہوتے تو عمر کا برا حال ہوتا)۔

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو وہ بولے: وہاں تو ایسے لوگ بھی ہیں جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں، ان کے درمیان آپ مجھے قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، اللہ تمھاری زبان میں قوت دے گا اور تمھارے دل کی رہنمائی کرے گا۔

(یہ روایت میں نے ویب سائٹ www.sunnah.org سے نقل کی ہے۔ حدیث کے انڈکس کے ذریعہ مطبوعہ مراجع کے حوالے تلاش کیے جا سکتے ہیں)

ایک روایت میں ہے کہ رسو ل اللہ ﷺ نے آپ کو بس ایک ہدایت کی کہ جب بھی کوئی مقدّمہ سامنے آئے، صرف ایک فریق کی بات سن کر کبھی فیصلہ نہ کرنا، طرفین کی بات سن کر ہی فیصلہ کرنا۔ (۵۸)

ان مثالوں کے ذریعہ نئے پیش آمدہ مسائل کے سلسلہ میں اسلامی اپروچ واضح ہے: ہمیں اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا چاہیے، دل کی آواز پر دھیان دینا چاہیے اور اجتماعی امور باہم مشورہ سے طے کرنے چاہئیں۔ مقاصد شریعت کی پہچان اور تطبیق میں قرآن و سنّت کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ عقل وفطرت سے رہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے۔

جیسا کہ اسلامی تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں، خلفاء راشدین نے مقاصدِ شریعت کی خاطر نئے پیش آمدہ مسائل میں بڑے اور نئے فیصلے بھی کیے ہیں۔ اس مختصر تحریر میں ان میں سے بعض کا ذکر تو کیا جاسکتا ہے مگر تفصیل میں جانا ممکن نہیں۔ اکثر اوقات ان صورتوں میں فیصلہ کرنے والے کو فرمودات الٰہی یا ارشادات نبوی میں کوئی عبارت (text) نہیں ملی جس کی تطبیق سے مسئلہ حل ہو جاتا۔ باضابطہ قیاس بھی ممکن نہ ہوا۔ پیش آمدہ صورت صرف نئی نہیں پیچیدہ بھی ہوتی تھی۔ جتنے ممکن فیصلے ہو سکتے تھے سب کے نتائج بڑے دور رس ہوتے۔ ان نتائج کا اندازہ لگانا اور ان کو نفع، نقصان کی ترازو پر تولنا ضروری ہوتا۔ چونکہ یہ پیش آمدہ نئے مسائل اجتماعی تھے اس لیے مشاورت بھی ہوئی۔ نفع نقصان کے اندازوں میں اختلاف کے علاوہ قرآن و سنّت کی تعبیر میں بھی اختلاف ہوا۔ خاص طور پر درج ذیل چار مسائل میں کیے گئے فیصلے تاریخ ساز اہمیت کے حامل رہے جن سے آنے والی نسلوں کو بڑے سبق سیکھنے ہیں:

۱۔ حضرت ابو بکر صدّیقؓ کا مانعین زکاۃ پر فوج کشی کرنے کا فیصلہ
۲۔ حضرت عمرؓ کا شام و عراق کی مفتوحہ زمینوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہ کرکے سرکاری تحویل میں رکھنے کا فیصلہ
۳۔ حضرت عثمانؓ کا باغیوں کے خلاف طاقت کا استعمال نہ کرنے کا فیصلہ
۴۔ حضرت علیؓ کا خوارج سے ایک خاص نہج سے نبٹنا جو اس سے مختلف تھا جو کفّار کے سلسلہ میں اختیار کیا جاتا رہا۔

ان چاروں کا مستند تاریخی مراجع کی مدد سے مطا لعہ کرنا چاہیے۔ ان کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ اسلام کی مزاج شناسی کے لیے ضروری ہے۔ اس مقالہ کے عنوان کی مناسبت سے ہم یہ وضاحت

ضروری سمجھتے ہیں کہ ان چاروں فیصلوں میں خلیفہِ وقت اور ان کو مشورہ دینے والے صحابہ کرامؓ کی فہم و فراست، دوربینی اور مقاصد شریعت سے ان کی بے لوث وابستگی (commitment) نے کلیدی کردار ادا کیا ۔

خلاصۂ کلام

اس بحث سے ہم اس نتیجہ تک پہنچے کہ عقل اور فطرت کو مقاصدِ شریعت کے پہچاننے اور ان کو حاصل کرنے میں کلیدی کردار ادا کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ازالۂ ظلم اور قیام عدل نیز زمین سے فساد دور کرنے اور امن و صلاح برپا کرنے جیسے بڑے مقاصد کا ذکر اصولی انداز میں آیا ہے۔ کسی دوسرے زمانہ میں کسی اور جگہ جو صورت حال درپیش ہو اس میں ان مقاصد کے حصول کی مناسب تدابیر ہمیں خود طے کرنا ہوں گی۔ نبی اکرم ﷺ کا اسوہ عقل و فطرت کی روشنی میں کام کرنے کا ہے۔ آپؐ کی وفات کے بعد جو ایسے مسائل سامنے آئے جن میں قرآن و سنّت سے براہ راست ہدایت نہ ملتی ہو ان میں فیصلہ کرنے والوں نے خدا داد فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے باہم مشوروں کے بعد مناسب فیصلے کیے۔

حواشی

۱۔ مقاصد شریعت، ایک عصری مطالعہ۔ فکر و نظر، اسلام آباد، جلد ۴۱، شمارہ ۴۔اپریل جون ۲۰۰۴ء اور مقاصد شریعت اور معاصر اسلامی فکر، وقائع اور امکانات، فکر و نظر، اسلام آباد، جلد ۴۳، شمارہ ۲ اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۵ء۔ دونوں مقالات بحث و نظر، دہلی اور ترجمان دارالعلوم، نئی دہلی میں بھی شائع ہوئے ہیں۔

۲۔ الزخرف: ۲۶، ۲۷

۳۔ الروم: ۳۰:۳

۴۔ الشّمس: ۷،۸

۵۔ الاعراف: ۱۹۹

۶۔ اٰل عمران: ۱۱۰

۷۔ الحدید: ۲۵

۸۔ النحل: ۹۰

۹۔ الانعام: ۱۵۲

۱۰۔ المائدہ: ۸

۱۱۔ ص ۲۱، ۲۴

۱۲۔ النساء: ۱۰

۱۳۔ النساء: ۲۹، ۳۰

۱۴۔ البقرہ: ۲۷۸-۲۷۹

۱۵۔ البقرہ: ۱۱۴

۱۶۔ الحج: ۳۹، ۴۰

۱۷ الروم: ۲۸، ۲۹

۱۸۔ الکہف: ۵۷

۱۹۔ یونس: ۱۰۶

۲۰۔ البقرہ: ۱۴۰

۲۱۔ البقرہ: ۲۰۴، ۲۰۵

۲۲۔ القصص: ۴

۲۳۔ الروم: ۴۱

۲۴۔ الشعراء: ۱۵۰-۱۵۲

۲۵۔ الاعراف: ۷۴

۲۶۔ دوسروں پر تسلّط جمانے کی خواہش ظلم و فساد کی جڑ ہے۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: و ذالک انّ ارادة العلو علیٰ الخلق ظلمٌ لانّ النّاس من جیشٍ واحدٍ فارادة الانسان ان یکون هو العلی و نظیره تحته ظلم. [بات یہ ہے کہ خلق خدا پر تسلّط جمانے کا ارادہ ظلم ہے کیوں کہ سارے انسان ایک ہی جُھنڈ سے وابستہ ہیں، پس کسی کا یہ چاہنا کہ وہی سب سے اونچا ہو کر رہے اور اسی جیسے دوسرے اس کے ماتحت بن کر رہیں ظلم ہے]۔ ابن تیمیہ: السیاسة الشرعیه، جلد ا، صفحہ ۳۹۔۴۰۔ (باب ثانی-فصل ۸)۔ ہمارے سامنے التراث مرکز ابحاث الحاسب الآلی کی تیّار کردہ لیزر ڈسک ہے جو ۱۴۲۰ھ-۱۹۹۹ء میں مؤلّفات الشیخ وتلمیذہ ابن القیّم۔ اصدار ۱۰۵ کے عنوان سے ملتی ہے۔

۲۷۔ الانعام: ۸۲

۲۸۔ ابوالفرج القرطبی: اقضیة الرسول ﷺ. حیدرآباد، دائرة المعارف۔بدون تاریخ

۲۹۔ عبدالحیٰ الکتّانی: نظام الحکومة النبویة المسمّیٰ بالتراتیب الاداریة. بیروت ،دارالکتاب العربی۔ بدون تاریخ۔

۳۰۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۲۷، حدیث نمبر ۴۶۷

۳۱۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۵۶، حدیث نمبر ۷۸۴، ۷۸۵

۳۲۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۱۱، حدیث نمبر ۵۰۰

۳۳۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۳۰، حدیث نمبر ۸۱۳، ۸۱۴، اور ۸۷۶۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، صحیح مسلم: کتاب نمبر ۶، حدیث نمبر ۱۱۴۲ اور موطا امام مالک: کتاب نمبر ۳۰، حدیث نمبر ۱۹۸۔

۳۴۔ صحیح مسلم: کتاب نمبر۴، حدیث نمبر ۱۸۴۰

۳۵۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۶۹، حدیث نمبر ۵۲۸

۳۶۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۸۸، حدیث نمبر ۱۹۵

۳۷۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۶۲، حدیث نمبر ۵

۳۸۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۴۱، حدیث نمبر ۵۸۲

۳۹۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۳۷، حدیث نمبر ۱۶۶

۴۰۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۷۶، حدیث نمبر ۴۹۷

۴۱۔ نوویؒ نے ریاض الصالحین میں اسے متفق علیہ حدیث بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو، ریاض الصالحین، جدّہ-مکتبۃ الشرق الاسلامی، بدون تاریخ، صفحہ ۴۵۰، حدیث نمبر۲/ ۱۰۹۹

۴۲۔ ریاض الصالحین، بحوالہ بالا، صفحہ ۲۶۹-۲۷۰، حدیث نمبر۴/ ۸۴۸، صحیح مسلم سے نقل کی گئی)

۴۳۔ ریاض الصالحین، بحوالہ بالا، صفحہ ۱۹، حدیے نمبر ۸/ ۲۰۔ متفق علیہ)

۴۴۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر۷۳، حدیث نمبر۵۴

۴۵۔ موطا امام مالک: کتاب نمبر۵۴، حدیث نمبر۱

۴۶۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۸۹، حدیث نمبر ۲۶۰

۴۷۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر۷۳، حدیث نمبر ۴۹

۴۸۔ سنن ابی داؤد: حدیث مبر۱۶۱۴

۴۹۔ ہمارے سامنے مدارج السالکین کا وہ نسخہ ہے جو موٴلفات الشیخ وتلمیذہٗ ابن القیم، اصدار ۱۰۵۔ ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء کے نام سے لیزر ڈسک پر التراث مرکز ابحاث الحاسب الآلی نے تیّار کیا ہے۔ متن میں کتاب کی جلد، صفحات اور فصلوں کے حوالے اس لیے دیے گئے ہیں کہ کاغذ پر مطبوعہ نسخوں سے مراجعت میں آسانی ہو۔

۵۰۔ ابن القیم: مدارج السالکین، جلد۱، صفحہ ۴۱، فصل المرتبۃ الخامسہ، مرتبۃ الافہام

۵۱۔ الحجر: ۷۵

۵۲۔ ابن القیم: مدارج السالکین، جلد ۱، صفحہ ۱۲۹

۵۳۔ ابن القیم، مدارج السالکین، جلد ۱، صفحہ ۱۳۰

۵۴۔ ابن القیم: مدارج السالکین، جلد ۲، صفحہ ۴۸۲

۵۵۔ ابن القیم: مدارج السالکین، صفحہ ۴۸۵

۵۶۔ ابن القیم: مدارج السالکین، جلد۲، صفحہ ۴۸۶

۵۷۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ: خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۳ء، صفحہ ۱۰۴، پیراگراف ۱۱۴)

۵۸۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ: خطبات بہاولپور، بحوالہ بالا، صفحہ ۲۱۶، پیراگراف نمبر ۲۱۸